کامل القادری

سکندر اعظم کا سفر

سکندر اعظم نے معلومہ دنیا فتح کر لینے کے سلسلہ میں مقدونیہ سے ایران و ہندوستان تک اور پھر واپسی میں سندھ و مکران سے بابل تک خشکی کے راستے جو طویل اور دشوار گذار سفر کیا وہ بجائے خود ایک بہت بڑا کارنامہ ہے اور اس کو بوجوہ تاریخ قدیم میں خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس لیے کہ یہ پہلا ریکارڈ ہے جس سے ایشیائے کوچک، شام، مصر، ایران، سیستان، افغانستان، ترکستان، ہندوستان اور مکران کے جغرافیائی حالات و کوائف معلوم ہو سکتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت مسیح علیہ السلام سے تین صدیاں پیشتر تھے۔ سکندر نے اپنی فوج کے ساتھ ایسے آدمی بھی لے لیے تھے جو علمی لحاظ سے مختلف احوال و کوائف مرتب کرتے جاتے تھے۔ وہ پورا ریکارڈ تو محفوظ نہیں رہا لیکن جو کچھ زمانے کی دست برد سے بچ گیا وہ بھی بڑا ہی قابل قدر ہے اگرچہ ہمیں اسے موجودہ حالات کے ساتھ مطابقت دینے میں خاصی مشکلات پیش آتی ہیں۔ بلوچستان کے مختلف حصوں کے نام سکندر کے زمانے میں وہ نہ تھے جو آج ہیں۔ دریاؤں، پہاڑوں اور علاقوں کے نام مختلف تھے۔ پھر یونانیوں نے جو نام سنے انھیں اپنی زبان کے سانچے میں ڈھالا۔ نیز بعض ناموں کا ترجمہ یونانی زبان میں کر دیا۔ اس وجہ سے تحقیق کے سلسلہ میں مشکلات بہت بڑھ گئیں۔ لیکن دریا اور پہاڑ بہر حال موجود تھے۔ اگرچہ دریاؤں کے بہاؤ میں تھوڑی بہت تبدیلی ہو گئی ہو۔ اس طرح ہم اس ریکارڈ کو سامنے رکھ کر ایک ایسا نقشہ تیار کر سکتے ہیں جو حقیقی حالات سے اقرب ہو۔

سکندر اپنے باپ فیلقوس (فلپس) کے بعد ۳۳۶ ق۔م میں مقدونیہ کا بادشاہ بنا۔ مقدونیہ فیلقوس کے زمانے میں فوجی قوت اور صلاحیت کے بل پر یونان کی تمام ریاستوں میں قیادت کا

درجہ حاصل کر چکا تھا۔ اور اس نے ایک جمعیت کی بنیاد رکھ دی تھی جس کا مدعا یہ تھا کہ مشترکہ فوجی قوت کے ساتھ ایران پر یورش کی جائے جو داراگشتاسپ کے وقت سے نہایت خوفناک حملے کر چکا تھا۔ فیلقوس اپنے منصوبے کو جامۂ عمل نہ پہنا سکا تھا کہ مارا گیا اور اس کی میراث جس میں سلطنتِ ایران پر حملہ بھی شامل تھا اس کے نوجوان بیٹے کے حوالے ہوئی جس نے زندگی کی صرف بیس بہاریں دیکھی تھیں۔

فیلقوس ایک تجربہ کار اور کہن سال تاجدار اور سپہ سالار تھا۔ اپنے طویل کارناموں کی وجہ سے اس نے یونانیوں پر ہیبت قائم کر رکھی تھی۔ اس کی جگہ نوجوان سکندر تخت نشین ہوا تو مختلف یونانی ریاستوں نے مقدونیہ کی قیادت کا جوا اپنی گردن سے اتار پھینکنے کی کوشش کی۔ سکندر نے دو سال انھیں زیرِ اثر رکھنے پر صرف کر دیے۔ جب یونان کے داخلی معاملات کے متعلق پورا اطمینان ہو گیا تو ۳۳۴ ق۔م کے موسم بہار میں وہ فوج لے کر ایشیا پر یورش کے لیے روانہ ہوا۔ اپنی زندگی کے باقی بارہ سال اس نے مشرق کے مختلف ممالک ہی میں گزارے اور اسی مختصر سی مدت میں وہ کارنامے انجام دیدیے جس کی کوئی مثال تاریخ قدیم میں نہیں ملتی اور بعد کی تاریخ میں بھی سپہ سالاری کے ایسے کارنامے بہت کم نظر آتے ہیں۔ یہی بارہ سال ہیں جن میں سکندر کو عالمگیر شہرت حاصل ہوئی اور آج بھی وہ دنیا کے چند نادر الوجود سپہ سالاروں میں شمار ہوتا ہے بلکہ بعض لوگ اسے دنیا کا یگانہ سپہ سالار مانتے ہیں۔

اس نے درۂ داریال کو اس مقام پر عبور کیا جہاں یہ زیادہ سے زیادہ تنگ تھا اور جہاں اس سے بیشتر ایرانی شہنشاہ اس آبنائے کو عبور کر کے یونان پر حملہ آور ہو چکے تھے۔ ایرانیوں سے پہلی لڑائی دریائے گرینیکس پر ہوئی جو ایشیائے کوچک کا مشہور دریا ہے۔ اور جنوب سے شمال کی جانب بہتا ہوا بحیرۂ مارمورا میں گرتا ہے۔ اس لڑائی میں کامیابی کے بعد سکندر آہستہ آہستہ آگے روانہ ہوا۔ اس کی کوشش ایک طرف یہ تھی کہ ساحلی علاقوں کو قبضے میں لے آئے تاکہ ایرانی بیڑے کے لیے کہیں اس کے عقب میں فوج اتارنے کا موقع باقی نہ رہے دوسری طرف وہ اندرونِ ملک کے تمام اہم اور ضروری مقامات پر قابض ہو جانا چاہتا تھا۔ اس سلسلے میں اسے سب سے زیادہ بھروسہ ان یونانی نوآبادیوں پر تھا جو

ایشیائے کوچک کے ساحل پر جابجا بسی ہوئی تھیں اور مجبوری کی حالت میں حکومتِ ایران کی اطاعت کا دم بھر رہی تھیں۔

اندرونِ ملک میں اس کا قابلِ ذکر سفر وہ ہے کہ وہ ریاست فریجیا کے مرکزی مقام گارڈین پہنچا۔ وہاں ایک رتھ زمانہ قدیم سے پڑا ہوا تھا جس کے جوئے کو رسّے سے باندھتے وقت ایسی گانٹھ دیدی گئی تھی کہ کسی سے کھل نہ سکتی تھی۔ مشہور تھا کہ جو شخص یہ گانٹھ کھولے گا وہ ایشیا کا تاجدار بن جائے گا۔ سکندر وہاں پہنچا تو اس نے تلوار سے گانٹھ کاٹ کے رکھ دی۔ اس طرح اپنے لیے ایشیا کی تاجداری کا استحقاق پیدا کر لیا یا کم از کم اس کے لشکریوں اور اہلِ فریجیا کو یقین ہو گیا کہ وہ جو بھی قدم اٹھائے گا کامیاب ہوگا۔ یہاں تک کہ پورے ایشیا کا مالک بن جائے گا۔

مذکورۂ بالا گانٹھ کے متعلق سکندر کا یہ عقیدہ ہو یا نہ ہو لیکن عوام کا یہ عقیدہ ضرور تھا۔ اس سے ان میں حوصلہ مندی اور ہمت کی نئی روح پیدا ہو گئی، اور ہر سپہ سالار اپنی فوج کے معتقدات اور تصورات سے پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتا ہے۔ سکندر نے بھی یہی کیا۔ اور معلوم ہے کہ وہ انھیں یونانیوں میں سے تھا جو دین و مذہب کے چنداں معتقد نہ تھے۔ لہٰذا عوام کی خوش اعتقادی کو اپنے مقصد کے لیے استعمال کرنے میں اس کو کیا تامل ہو سکتا تھا۔

بہرحال ایشیائے کوچک کے وسطی اور ساحلی علاقوں کو فتح کرتا ہوا وہ شام کی طرف بڑھا۔ موجودہ خلیج اسکندرونا کے نزدیک اسوس نام مقام پر اسے پھر ایرانیوں سے جنگ پیش آئی۔ اس جنگ میں دارا سوم شہنشاہِ ایران خود شریک تھا۔ اس کی فوج کے بے پناہ ہونے میں کسی کو کلام نہ ہو سکتا تھا۔ سکندر کی حیثیت اس کے مقابلے میں بہت معمولی نظر آتی تھی۔ لیکن سکندر نے اپنے عسکری کمالات سے فائدہ اٹھا کر ایرانیوں کو شکست فاش دی۔ یہاں تک کہ دارا اپنی بیوی اور بچوں کو چھوڑ کر میدان سے بھاگ نکلا۔ سکندر نے ایران کی ملکہ اور اس کے بچوں کے احترام میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ دارا اپنی سلطنت کا خاصا بڑا حصہ حوالے کر کے صلح پر آمادہ تھا۔ لیکن سکندر کو دو لڑائیوں میں ایران کی جنگی قوت کا جو تجربہ ہو چکا تھا وہ بڑا حوصلہ افزا تھا۔ سکندر جب تسخیر ایران کے لیے نکلا تھا تو

بہرحال اسے قوی امید ہوگی کہ کامیابی حاصل کرکے رہے گا۔ دو لڑائیوں نے یقین دلا دیا تھا کہ ایرانی کہیں بھی اس کے مقابلے میں ٹھہر نہیں سکتے۔ جب پوری سلطنت کی تسخیر خاصی سہل نظر آتی تھی تو وہ کسی ایک حصے کو لے کر صلح پر کیوں کر آمادہ ہو سکتا تھا۔ گرینیکس اور اسوس کی لڑائیاں اس کے بلند عزائم کے لیے مہمیز ثابت ہوئی تھیں اور اس نے فیصلہ کر لیا کہ ایران کو ختم کیے بغیر پیش قدمی نہ روکے گا۔

سوس کے بعد سکندر نے شام کے ساحلی مقامات مسخر کیے۔ بیشتر مقامات نے لڑائی کے بغیر حوالگی قبول کر لی صرف صُور (Tyre) نے مقابلہ کیا اور وہ اس بنا پر کہ صور کا موقع اور محل حد درجہ اہم تھا۔ خصوصاً اس کا جو قلعہ سمندر کے اندر تھا اسے سراسر ناقابل تسخیر مانا جاتا تھا۔ لیکن سکندر نے مشکلات کے باوجود صور کو فتح کیا اور آبادی کو مقابلے کی پاداش میں حد درجہ ظلم و جور برداشت کرنے پڑے۔

شام سے آگے بڑھ کر غزہ کے مقام پر مقابلے کی نوبت آئی۔ سکندر یہاں بھی کامیاب ہوا اور مصر پہنچ گیا۔ دراصل وہ بحیرۂ روم کی اردگرد کی سرزمینوں پر قابض ہو کر مشرقی بحیرۂ روم کو یونانی سمندر بنا لینے کے لیے کوشاں تھا۔ مصر میں بھی اسے مقابلے سے سابقہ نہ پڑا۔ یہاں اس نے اپنے نام پر وہ شہرۂ آفاق بندرگاہ تعمیر کرائی جو صدیوں تک علوم کا مایۂ ناز مرکز بنی رہی۔ نیز بحیرۂ روم میں تجارت کی مشہور ترین منڈی بن گئی یعنی اسکندریہ۔ سکندر نے اپنے نام پر جگہ جگہ ایسے شہر آباد کیے تھے۔ ان میں سے صرف یہی بندرگاہ باقی رہ گئی۔

مصر کی طرف سے مطمئن ہو کر سکندر نے قلب ایران کا رخ کر لیا۔ اربیلہ کے قریب گاگا میلہ میں دارا سے آخری جنگ پیش آئی۔ فوج اور ساز و سامان کی کثرت کے باوجود دارا نے یہاں بھی شکست کھائی۔ اسی جنگ نے ایران کی ہخامنشی یا کیانی سلطنت اور خود دارا کی تقدیر کا فیصلہ کر دیا۔

اس زمانے میں ایران کے چار بڑے دارالحکومت تھے۔ ایک بابل۔ دوسرا سوس۔ تیسرا پرسی پولس یا اصطخر اور چوتھا ہمدان جسے پرانے زمانے میں اکتبانہ یا ہگمتانہ کہتے تھے۔ گاگا میلہ سے دارا ہمدان کی طرف بھاگا۔ سکندر پہلے بابل پہنچا۔ وہاں سے اسوس ہوتا ہوا پرسی پولس گیا۔ پھر اس

نے ہمدان کا رخ کیا۔ دارا یہ سنتے ہی ہمدان سے مشرقی سمت باختر کی طرف بھاگا۔ سکندر نے تعاقب کیا اور وہ موجودہ مزندران کے کوہستانی علاقے میں ہوتا ہوا جرجانیہ پہنچا جسے قدیم زمانے میں ہرکانیہ کہتے تھے۔ پھر اس مقام کی طرف آیا جہاں بعد میں ہرات آباد ہوا تھا۔ کہتے ہیں کہ اس کی بنیاد سکندر ہی نے رکھی تھی۔ اور اپنے نام پر اس کا نام بھی سکندریہ تجویز کیا تھا لیکن اس نام کا سکہ چل نہ سکا۔

دارا کو اس کے درباریوں نے قتل کر دیا تھا۔ ان میں سے ایک سیستان کی طرف بھاگ گیا تھا اور دوسرے نے جو دارا کا ہم خاندان تھا باختر کا رخ کر لیا تھا جہاں کا وہ گورنر تھا۔ سکندر نے ان سے انتقام کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ وہ پہلے ہرات سے سیستان پہنچا اور قاتل کو سزائے قتل دی۔ پھر دریائے ہلمند کے کنارے کنارے باختر کی طرف روانہ ہوا۔ عام خیال یہ ہے کہ جہاں ہلمند اور ارغنداب کا اتصال ہوتا ہے وہاں سے سکندر نے ارغنداب کے ساتھ ساتھ پیش قدمی جاری رکھی۔ چنانچہ وہ پہلے اس مقام پر پہنچا جسے آج کل قندھار کہتے ہیں۔ پھر قندھار و کابل کا راستہ اختیار کیا۔ کابل اس زمانے میں غالباً موجود نہ تھا اور اس سے چند میل شمال کی جانب بگرام نام شہر موجود تھا جس کے کھنڈرات بھی ملتے ہیں۔ کابل کے شمالی مقامات میں چاریکار اب تک موجود ہے جہاں سکندر نے قیام کیا تھا۔ پھر درۂ پنج شیر کے راستے ہندوکش کو عبور کر کے وہ باختر کے میدان میں آ گیا۔ باختر کے گورنر کو جو دارا کا قاتل تھا خیال بھی نہ ہو سکتا تھا کہ سکندر اس سختی سے تعاقب کرے گا۔ وہ بھاگ کر ترکستان چلا گیا۔ سکندر نے پیچھا نہ چھوڑا اور گرفتار کر کے دم لیا۔ اسی سلسلے میں ترکستان کی تسخیر بھی عمل میں آئی جسے اس زمانے میں سغدیانہ کہتے تھے۔ دریائے سیحون یا سر دریا کے پار کے قبائل سے بھی بڑی خوفناک لڑائی ہوئی۔ غالباً یہی قبائل تھے جن کے ساتھ لڑتے ہوئے سائرس ہلاک ہوا تھا۔ سکندر نے وہاں بھی کامیابی حاصل کی۔ پھر وہ واپس ہوا۔ غالباً دریائے جیحون کے کنارے پر کوئی مضبوط و مستحکم پہاڑی قلعہ تھا۔ یہ قلعہ مسخر ہوا تو اندر ایک نوجوان لڑکی ملی جو قلعے کے سردار کی بیٹی تھی۔ سکندر اس پر عاشق ہو گیا اور اس سے شادی کر لی۔ یہ روشنک تھی جسے آج کل

انگریزی تلفظ کی پابندی میں لوگ رخسانہ لکھتے ہیں۔ روشنک کے بطن سے سکندر کا اکلوتا بیٹا پیدا ہوا۔ افسوس کہ سکندر کی وفات کے بارہ سال بعد روشنک اور بیٹا دونوں ایک حریص خود غرض سردار کے ہاتھ مارے گئے۔

مراجعت میں افغانستان سے ہوتا ہوا ہندوستان میں داخل ہوا۔ ہندوستان میں ٹکسلا کے راجہ نے بے تامل اطاعت قبول کر لی۔ جہلم کے راجہ پورس نے مقابلہ کیا اور شکست کھائی۔ لیکن سکندر اس کی جوانمردی کے کرشمے دیکھ چکا تھا اس لیے اس کی قدر و منزلت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اور اس کی پوری سلطنت واپس دے دی بلکہ دوسرے مقبوضات کا نگران بھی اسے بنایا۔ پورس نے بھی جنگ کے بعد سکندر کے ساتھ وفاداری کو کمال پر پہنچا دیا۔ جہلم سے وہ آگے بڑھا۔ دریائے بیاس کے کنارے پہنچا تو فوج نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔ قرائن یہ ہیں کہ جہاں آج کل دینا نگر نام قصبہ آباد ہے اس کے آس پاس سکندر نے قیام کیا تھا جب فوج ساتھ دینے کے لیے تیار نہ ہوئی تو اپنے معمول کے مطابق سکندر نے قربانیاں کیں۔ اپنی نشانی کے طور پر مینار یا ستون تعمیر کرائے اور واپس ہو گیا۔ دریائے جہلم پر پہنچ کر کشتیوں کا بیڑا تیار کرایا۔ فوج کے ایک حصے کو نئے ساز و سامان کے ساتھ کشتیوں میں بٹھایا۔ ایک حصہ ساتھ ساتھ کنارے چلا۔ راستے میں بھی لڑائیاں پیش آئیں یہاں تک کہ سکندر سندھ کے مقام پٹالہ میں پہنچ گیا۔

یہ وہ مقام ہے جہاں سے سکندر نے اربی ٹائی، اوریٹائی اور گدروسیا کا سفر شروع کیا۔ اس سلسلے میں سفر کے بیان سے پیشتر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختلف مقاموں، دریاؤں اور پہاڑوں کی سرسری کیفیت بیان کر دی جائے۔

سب سے پہلے یہ فیصلہ ہونا چاہیے کہ سندھ میں سکندر کی مرکزی قیام گاہ پٹالہ بتایا گیا ہے اور وہ کہاں ہے؟ اس باب میں بیان مختلف ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ پٹالہ سے مراد موجودہ ٹھٹھہ ہے۔ بعض مقامی خصوصیات کی بنا پر اسے موجودہ حیدر آباد بتاتے ہیں۔ لیکن

جن لوگوں نے مقامی حالات کا مطالعہ زیادہ وقتِ نظر سے کیا ہے ان کے نزدیک یہ دونوں بیانات قطعاً قرین قبول نہیں اور اس کے مختلف وجوہ ہیں۔ مثلاً پٹالہ سے چل کر اربی ٹائی میں داخلے سے پیشتر سکندر جس جگہ پہنچا تھا وہ ہولڈچ کے نزدیک حیدرآباد سے تیس میل جنوب مشرق میں، اور ٹھٹھہ سے ساٹھ میل شمال مشرق میں تھا۔ اور یہی مختلف قرائن کی بنا پر درست معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے کہ اس زمانے میں دریائے سندھ کا بہاؤ وہ نہ تھا جو آج ہے۔ دریا یقیناً پچیس تیس میل مشرق میں بہتا تھا اور اس کی سب سے بڑی شاخ رن آف کچھ میں گرتی تھی۔ سندھ جیسے میدانی ریگ زار میں کسی ایسے مرکزی مقام کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا جو دریا سے فاصلے پر واقع ہو۔ بلکہ سندھ کے متعلق تو یہیں قطعی طور پر معلوم ہے کہ جیسے جیسے دریا کے دھارے نے رخ بدلے ویسے ویسے سندھ کے مختلف شہر بستے اور ویران ہوتے گئے۔ صحیح یہی معلوم ہوتا ہے کہ پٹالہ، ٹھٹھہ اور حیدرآباد سے بالکل الگ مقام ہوگا۔ اس کی تصدیق یوں بھی ہوتی ہے کہ پٹالہ سے روانہ ہو کر اربی ٹائی پہنچنے میں سکندر کو خاصی منزلیں طے کرنی پڑیں۔ اگر ٹھٹھہ پٹالہ ہوتا اور سکندر وہاں سے چلتا تو اربی ٹائی پہنچنے میں اتنا وقت نہیں لگ سکتا تھا۔

ایک مقام کا ذکر کردکالا (Krokala) کے نام سے آیا ہے۔ جسے ہولڈچ کے قول کے مطابق زمانۂ وسطیٰ میں کرک کہتے تھے۔ اور ہولڈچ کا خیال ہے کہ یہی مقام آگے چل کر کراچی کے نام سے مشہور ہوا۔ ہیگ نے کردکالا کو ایک جزیرہ بتایا ہے اور لکھا ہے کہ ساحل درجہ بدرجہ آگے بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ کردکالا جزیرہ کے بجائے زمین کا ایک حصہ بن گیا۔ زمانۂ قدیم کی اطلس[1] میں کردکالا کو کالا لکھا گیا ہے اور اس کا مقام اوریٹائی بتایا گیا ہے۔ بالکل یہی کیفیت زمانۂ قدیم کی ایک اور اطلس[2] میں ہے۔

آگے بڑھ کر ایک دریا کے عبور کا ذکر آتا ہے جس کے مختلف تلفظ ہیں یعنی ارالیس، ارلیس،

---

(۱) قدیم جغرافیہ کا اطلس از سیمس بٹلر ۱۸۶۶ء نقشہ نمبر ۱۴۔

(۲) قدیم کلاسیکل جغرافیہ کا اطلس مطبوعہ لندن جولائی ۱۹۰۹ء

ارنابس اور ارٹیبس۔ اس کے متعلق اہل علم کی رائیں مختلف ہیں لیکن زیادہ تر اصحاب کا خیال ہے کہ یہ وہی دریا تھا جو آج کل پورالی کے نام سے موسوم ہے اور سون میانی کے قریب سمندر میں گرتا ہے۔ اسے عبور کرتے ہی اربی ٹائی کا علاقہ ختم ہوگیا اور اوریٹائی کا علاقہ شروع ہوگیا۔ یہی دریا ہے جس کے کنارے لس بیلہ واقع ہے۔

اس کے بعد ایک دریا کا ذکر آتا ہے جس کا نام آگھور (Aghore) بیان کیا گیا ہے۔ مختلف اہل علم کی رائے ہے کہ یہ وہی دریا تھا جسے آج کل ہنگول کہتے ہیں۔

گدروسیہ کے جنوب مغرب میں ساحل کے ساتھ ساتھ ایک علاقے کا ذکر یونانیوں نے جس نام سے کیا ہے ایسا کوئی نام ہمارے ہاں مذکور نہیں۔ اس یونانی لفظ کے معنی ہیں ماہی خور۔ چونکہ یہاں ایسے لوگ آباد تھے جن کا گزارہ مچھلیاں کھانے پر تھا اس لیے یونانیوں نے انھیں اپنی زبان میں ماہی خور قرار دینا مناسب سمجھا اور ان کا علاقہ ماہی خوروں کا علاقہ مشہور ہوا۔ یہ علاقہ موجودہ راس ملان سے گدروسیہ کی آخری مغربی حد تک تھا۔

یہ بھی بتا دینا چاہیے کہ گدروسیہ یا مکران کی مغربی حد سکندر کے زمانے میں یا اس کے بعد عربوں کی یورش کے زمانے میں وہ نہ تھی جو آج ہے۔ آج کل یہ حد دریائے دشت کے دہانے پر ختم ہو جاتی ہے۔ لیکن زمانۂ قدیم میں ایران کا وہ علاقہ بھی اس میں شامل تھا جسے آج کل ایرانی بلوچستان کہتے ہیں، اور صوبۂ کرمان کا انتہائی جنوبی و مشرقی علاقہ ہے۔ مکران کو جو گدروسیہ کا موجودہ نام ہے مکرانات اسی لیے کہتے ہیں کہ اس کے دو حصے تھے۔ ایک بلوچستانی مکران، دوسرا ایرانی مکران۔ اس سلسلے میں ایک سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ پورا یا فہرج کو کیوں دار الحکومت بنایا گیا جو انتہائی مغربی حصے میں واقع تھا۔ اس کی دو وجوہ ذہن میں آتی ہیں۔ اول یہ کہ اس مرکز کا انتظام اس وقت ہوا جب مکران کیانی یا ہخامنشی سلطنت کے زیر اثر آیا اور اس سلطنت کی طرف سے جو مرکز قائم ہوسکتا تھا وہ انتہائے مغرب ہی میں قائم ہوسکتا تھا۔ دوسری وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ مکران کے زیادہ تر سرسبز و شاداب خطے مشرقی حصے کے بجائے مغربی حصے ہی میں تھے، لہذا مرکز اسی جانب

قائم کیا گیا۔

جس سلسلہ کوہ کو آج کل کیر تھر کہتے ہیں، اس کا پرانا نام کوہستان اربی ٹائی ہی تھا۔ اسی کا ایک حصہ ہمارے زمانے میں کوہ ہالہ کے نام سے بھی مشہور رہا۔

بعض امور خاص توجہ کے محتاج ہیں۔ مثلاً یونانیوں نے سکندر کے سفر کا جو ریکارڈ مرتب کیا ہے اس میں حب دریا کا کوئی ذکر نہیں حالانکہ سندھ اور بلوچستان کے درمیان یہ نہایت اہم دریا ہے۔ اور اس کے موقع اور محل کو پیش نظر رکھا جائے تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ سکندر کے زمانے میں یہ موجود نہیں تھا اور بعد میں ظہور پذیر ہوا۔ اسی طرح اس مقام کا کوئی ذکر نہیں جسے آج کل منگو پیر کہتے ہیں۔ اور پرانے زمانے میں اس کا نام منجابری تھا۔ اس کے موقعہ کا معائنہ بہ نظر غائر کیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایک زمانے میں یہ بہت بڑا اور قدیم شہر تھا۔ جگہ خاصی بلند، پاس حب دریا، سمندر کا قرب اور سندھ، بلوچستان، ایران وغیرہ کی قدیم شاہراہ کا نہایت اہم مقام۔ غیر ممکن ہے کہ سکندر نے یہاں منزل نہ کی ہو۔ یا اس کی گذرگاہ میں یہ مقام نہ آیا ہو لیکن ہم اس لیے کچھ کہہ ہی نہیں سکتے کہ اس کا کوئی ذکر سفر کی مختلف روداد وں میں نہیں اگرچہ قیاس یہی کہتا ہے کہ سکندر پٹالہ سے چل کر منزلیں طے کرتا ہوا اسی مقام یعنی منگو پیر یا منجابری پہنچا ہوگا۔

مختلف روایات کے مطابق سکندر نے ستمبر یا اکتوبر میں سندھ سے کوچ کیا۔ وقت میں اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ سفر کے آغاز کے لیے مہینہ کوئی نہیں بتایا گیا بلکہ یا تو یہ کہا گیا ہے کہ ستاروں کے اس جھرمٹ کا طلوع ختم ہو چکا تھا جسے ثریا یا پروین کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اٹلی میں یہ صورت آغاز نومبر پر پیش آتی تھی۔ قیاس یہ ہے کہ مکران و سندھ میں ایسی صورت ستمبر کے اواخر یا اکتوبر کے کسی حصے میں پیش آئی ہوگی۔ دوسرے بارشیں ختم ہو چکی تھیں اور اس حصے میں بارشوں کا اختتام عموماً ستمبر میں ہو جاتا ہے۔

سکندر کے پاس کم و بیش ایک لاکھ بیس ہزار فوج تھی۔ اس میں آٹھ ہزار آدمی نیارکس کے ساتھ جہازوں پر سوار ہو کر چلے۔ باقی ایک لاکھ بارہ ہزار میں سے قریباً ۲۵ ہزار آدمی اپنے ساتھ رکھ لیے۔

باقی فوج نوے ایک نوے ہزار سے کم نہ ہوگی جسے بھاری سامان کے ساتھ اٹرس کی سرکردگی میں عام راستے سے روانہ کردیا۔ یہ راستہ سہل گزار تھا، اگرچہ خاصا لمبا تھا۔ نیارکس کو حکم دیا کہ وہ کچھ دیر انتظار کرے تاکہ ہوائیں سازگار ہوجائیں اور سمندر میں مدوجزر کا سلسلہ رک جائے اس صورت میں بحری سفر زیادہ سہولت سے طے ہوسکتا تھا۔

سکندر نے غالباً ابتدا ہی میں فیصلہ کرلیا تھا کہ اپنی فوج کے ایک حصے کو سمندر کے راستے بھیجے گا۔ اس لیے کہ اس کا اصل مقصد فتوحات کے علاوہ یہ تھا کہ دنیا کے جغرافیائی اور تمدنی معلومات میں جتنا اضافہ کرسکتا ہے کر دے۔ دشوار گذار راستوں کو اختیار کرنے کی اصل وجہ یہ ہی تھی۔ اسی لیے اس نے دریائے سندھ کی مختلف شاخوں میں چھان بین کا سلسلہ جاری رکھا۔ وہ خود کشتیوں میں بیٹھ کر مختلف شاخوں سے گزر کر سمندر میں پہنچا اور ساحلی علاقے کی پوری دیکھ بھال کی۔ اور اس کے بعد نیارکس کو حکم دیا کہ فوج کا ایک حصہ جہازوں میں سوار کر کے سمندر کے راستے خلیج فارس میں پہنچے۔ یقیناً اس سے قبل لوگ سمندر کے راستے آتے جاتے ہوں گے۔ سندھ کے ساتھ نیز ہندوستان کے مغربی ساحل سے مشرق اوسط کے تجارتی تعلقات پہلے سے چلے آتے تھے۔ سندھ پہنچ کر سکندر کو اس سلسلے میں زیادہ معلومات حاصل ہوگئی ہوں گی۔ باقی فوج کو لے کر اس نے خشکی کے راستے واپسی کا فیصلہ کرلیا۔ اس فوج کو پھر دو حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصے کو کلاٹرس کی سرکردگی میں اس راستے بھیج دیا جہاں سے عام قافلے آتے جاتے تھے جسے عام طور پر درۂ مولا کا راستہ کہتے ہیں۔ یہ راستہ درۂ بولان کے راستے کے مقابلے میں نسبتاً سہل سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ کراٹرس فوج کے بڑے حصے نیز بھاری سامان کو لے کر اس راستے کوئٹہ اور وہاں سے قندھار پہنچا۔ پھر دریائے ارغنداب کے ساتھ ساتھ کرمان کی طرف روانہ ہوگیا، اور دشت کو عبور کر کے کسی مقام پر کرمان میں سکندر سے جاملا۔

فوج کے ایک حصے کو سکندر نے اپنی ماتحتی میں رکھا اور گدروسیہ یا مکران کا راستہ اختیار کیا جو رسد اور پانی کی قلت کے اعتبار سے بہت مشکل سمجھا جاتا تھا، نیز اس میں دشوار گذار درّے اور خوفناک ریگ زار بھی واقع تھے۔

عام طور پر بیان کیا جاتا ہے کہ سکندر نے سنا تھا کہ خورش اور ملکہ سیرمیش نے یہ راستہ اختیار کیا تھا مگر وہ اسے طے نہ کرسکے۔ سکندر نے یہ سنتے ہی فیصلہ کرلیا کہ وہ اسی راستے سے جائے گا تاکہ اپنے اس کارنامے کے ذریعہ سے خورش اور سیرمیس پر فوقیت لے جائے لیکن حقیقت یقیناً یہ نہیں اس لیے کہ اس سے سکندر کی عقل و دانش اور فہم و بصیرت کے متعلق کوئی اچھا اثر پیدا نہیں ہوتا۔ کسی کام کو محض اس لیے اختیار کرنا کہ زمانۂ سابق کے دو مشہور فرماں روا پورا نہ کرسکے بجائے خود کوئی قابلِ فخر کارنامہ نہیں ہے۔ اس فیصلے میں سکندر کے سامنے دو مقصد تھے۔ اوّل یہ کہ بیڑے سے قریب تر رہے تاکہ وقتاً فوقتاً اور جابجا اس کے لیے رسد کا انتظام کرتا جائے۔ ہیرلڈ لیمب نے لکھا ہے کہ سکندر کی اصل غرض بیڑے کی امداد و اعانت کے سوا کچھ نہ تھی، اور اس نے مکران میں سے سفر کی مشکلات کا ذکر خود سُن رکھا تھا، مگر پورے حالات اس کے کان تک نہ پہنچے تھے[1]۔ یہ سمجھنا چاہیے کہ اگر سکندر کو پورے حالات معلوم ہوتے تو وہ مکران میں سے گزرنے کا ارادہ ترک کر دیتا؟ اگر ایسا ہوتا تو بیڑے کے لیے غذا اور پانی کے مکمل انتظامات کے بغیر بحری سفر کی کیا صورت تھی؟ سکندر عزم کا پکا اور ہمت کا دھنی تھا جب اس نے بیڑے کو سمندر کے راستے بھیجنے کا فیصلہ کرلیا تو ساتھ ہی مکران میں سے گزرنے کا فیصلہ ہوگیا۔ اس سفر میں مشکلات کم ہوتیں یا زیادہ سکندر رک نہ سکتا تھا اور جن کاموں کو دنیا غیر ممکن سمجھتی تھی انھیں پورا کرنا سکندر کے عزم و ہمت مہمیز کا حکم رکھتا تھا۔ دوم اس لیے کہ سندھ سے مکران کے راستے ایران پہنچنا ایک اہم جغرافیائی اقدام تھا اور سکندر اپنی اولوالعزمی کی بنا پر اس قسم کے اقدامات کا ہمیشہ خواہاں رہتا تھا۔ یقیناً اس اقدام سے دنیا کے جغرافیائی علوم میں اضافہ ہوا اور سکندر کی ایک خاص غرض یہ بھی تھی۔

---

(۱) سکندر، مقدونیہ از ہیرلڈ لیمب ص ۳۲۳